ابوالحسن علی ندوی، مولانا محمد ناظم ندوی کی نظر میں

محمد ارشد ☆

مقالہ نگار کو ۱۹۸۶ء- ۱۹۸۷ء کے دوران میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (۶ر محرم ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۴ء - ۳۱ر دسمبر ۱۹۹۹ء) کی حیات وافکار کے مطالعہ (بسلسلۂ ایم اے علومِ اسلامیہ) کے سلسلے میں پاکستان و ہند میں مقیم ان کے جن اعزہ واقرباء اور قدیم رفقاء وتلامذہ کے ساتھ مراسلت اور ملاقاتوں کا موقع میسر آیا ان میں مولانا محمد ناظم ندوی (۱۹۱۳ء-۲۰۰۰ء)، سابق استاذِ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، وشیخ الجامعہ، جامعہ عباسیہ بہاول پور، بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں۔ مقالہ نگار نے مولانا محمد ناظم ندوی سے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے ساتھ اپنی رفاقت کی سرگزشت نیز ان کے علمی وادبی، دعوتی واصلاحی کارناموں کے بارے میں اپنے خیالات وتاثرات کو احاطۂ تحریر میں لانے کی درخواست کی تھی۔ جواب میں انھوں نے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے حیات و افکار کے بارے میں ایک مختصر تحریر سے سرفراز کیا۔ سطورِ ذیل میں راقم السطور کے نام مولانا محمد ناظم ندوی کے مکتوب نیز مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے بارے میں ان کی تحریر قارئین مجلّہ الایام کی نذر کی جارہی ہے۔ ابتدا میں مولانا محمد ناظم ندوی کے احوال وآثار کا مختصر تذکرہ کر دیا گیا ہے۔ آخر میں ان کی تحریر میں مذکور اعلام کے بارے میں حواشی وتعلیقات کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔

۱۔ مولانا محمد ناظم ندوی: سوانحی خاکہ

مولانا محمد ناظم ندوی دسمبر ۱۹۱۳ء میں قصبہ علی نگر (بہار شریف) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد کچھ عرصہ ہندو پاٹھ شالا میں تعلیم حاصل کی۔ بعد ازاں ۱۹۲۶ء میں مدرسہ عزیزیہ (بہار) میں داخلہ ہو گیا۔ ۱۹۲۸ء میں مولانا مسعود عالم ندوی (۱۱ر فروری ۱۹۱۰ء - ۱۶ر مارچ ۱۹۵۴ء)[۱] کی تحریک پر دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہوئے۔[۲] دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ممتاز مراکشی عالم وادیب علامہ تقی الدین الہلالی (۱۳۱۱ھ - ۱۴۰۸ھ/۱۸۹۳ء - ۱۹۸۷ء) سے عربی زبان وادب

☆ ڈاکٹر محمد ارشد، شعبۂ اردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔ Email: arshad571@yahoo.com

کی تحصیل کی۔ ۳؎ علامہ تقی الدین الہلالی کے دارالعلوم میں بحیثیت استاذِ اعلیٰ عربی زبان وادب تقرر سے برصغیر پاک وہند میں عربی زبان وادب کی تعلیم کا ایک نیا دور اور نیا طرز شروع ہوا۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا مسعود عالم ندوی اور مولانا محمد ناظم ندوی نے ان سے خاص طور سے فائدہ اٹھایا اور ان کے ممتاز شاگردوں میں ہوئے۔ محرم ۱۳۵۱ھ/مئی ۱۹۳۲ء میں علامہ سید سلیمان ندوی اور علامہ تقی الدین الہلالی کی نظارت میں دارالعلوم ندوۃ العلماء سے ایک عربی رسالہ الضیاء کے نام سے مولانا مسعود عالم ندوی کی ادارت میں جاری ہوا تو مولانا محمد ناظم ندوی اور سید ابوالحسن علی ندوی نے اس میں مضمون نگاری کا آغاز کیا۔ رسالہ الضیاء کے ذریعے ان تینوں رفقاء کی علمی وادبی صلاحیتیں نکھر کر سامنے آئیں۔ ۴؎ علامہ تقی الدین الہلالی نے ندوۃ العلماء میں چند سالہ قیام کے دوران میں عربی انشاء پردازوں کی جو جماعت تیار کی ان میں سید ابوالحسن علی ندوی اور مولانا مسعود عالم ندوی کے بعد ممتاز ترین نام مولانا محمد ناظم ندوی کا ہے۔ ۵؎ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ان تینوں فضلاء کی عربی انشاء پردازی کی شہرت ہندوستان کے حدود سے نکل کر بلادِ عربیہ تک جا پہنچی۔ عربی زبان وادب میں مولانا محمد ناظم ندوی کو جو کمال حاصل تھا اس کی شہادت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے مولانا محمد زکریا کاندھلوی کے نام ایک خط میں بایں الفاظ دی ہے: ''میرے ایک پرانے رفیق جو نہایت ذی استعداد عالم اور تجربہ کار ہیں اور جامعہ عباسیہ کے شیخ الجامعہ رہ چکے ہیں اور ان کی عربیت ہم سب لوگوں میں ممتاز ہے۔'' ۶؎ مولانا محمد ناظم ندوۃ العلماء سے فراغت (۱۹۳۲ء) کے بعد علامہ سید سلیمان ندوی کے ایماء سے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (گجرات) میں بحیثیت استاذ عربی مقرر ہوئے (۱۹۳۴ء)۔ چار سال بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء میں استاد ادبِ عربی مقرر ہوئے۔ دارالعلوم میں انھوں نے تدریس وتعلیم کے ساتھ ساتھ بحیثیت قائم مقام مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء بھی خدمات انجام دیں (۱۹۴۲ء تا ۱۹۴۸ء)۔ ۷؎

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں قیام کے دوران میں مولانا محمد ناظم ندوی اور سید ابوالحسن علی ندوی کے مابین ادبی وفکری اور دینی ودعوتی دلچسپیوں کے اشتراک کے سلسلے میں ایک نہایت اہم چیز مولانا محمد الیاس (۱۳۰۳ھ-۱۳۶۳ھ/ ۱۸۸۶ء-۱۹۴۴ء) کی تبلیغی جماعت کے ساتھ دونوں کی وابستگی اور لکھنؤ اور اس کے مضافات میں دعوتی وتبلیغی کام ہے۔ دارالعلوم کے اساتذہ اور طلباء اور لکھنؤ شہر میں تبلیغی تحریک کو متعارف کرانے کا سہرا سید ابوالحسن علی ندوی کے سر ہے۔ لکھنؤ اور اس کے مضافات میں تبلیغی کام میں مولانا محمد ناظم ندوی نے ان کی سرگرم رفاقت کی جس کا اعتراف سید ابوالحسن علی ندوی نے بایں الفاظ کیا ہے: ''دارالعلوم ندوۃ العلماء کے طلباء اور اساتذہ میں سے رفیق محترم مولانا سید محمد ناظم صاحب ندوی نے لکھنؤ کے اس تبلیغی کام میں بڑی رفاقت کی۔'' ۸؎ تاہم دارالعلوم سے علیحدگی کے بعد تبلیغی جماعت سے ان کی وابستگی برقرار نہ رہی۔ مولانا محمد ناظم ندوی نے ۱۹۵۰ء میں پاکستان ہجرت کی اور کراچی میں سکونت اختیار کر لی۔ تقریباً ایک سال تک سعودی سفارت خانے سے منسلک رہے۔ ۱۹۵۱ء میں جامعہ عباسیہ بہاول پور کے شیخ الجامعہ کے طور پر ان کا تقرر ہوا اور ۱۹۶۳ء تک اس منصب پر فائز رہے۔ ۲۲ ستمبر ۱۹۶۳ء کو کراچی میں جماعت اسلامی کے زیر انتظام ادارۂ معارفِ اسلامی کا قیام عمل میں آیا تو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے ایماء پر اس کے نائب صدر مقرر ہوئے۔ اسی سال جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں بحیثیت استاد منسلک ہوئے۔ ۱۹۷۰ء میں بہاول پور سے کراچی

منتقل ہوگئے اور بقیہ زندگی علوم دینیہ کی تعلیم وتدریس میں بسر کی۔۹

مولانا محمد ناظم کے علمی وادبی آثار میں سید سلیمان ندوی کے خطبات مدارس کے عربی ترجمے (الرسالة المحمدية ، جو بیروت سے شائع ہوا) کے علاوہ عربی شعری دیوان باقة الازهار (کراچی: دارالتالیف والترجمہ، ۱۹۷۹ء) اور قصیدہ رائیة (مطبعة القادر، کراچی، س۔ن) شامل ہیں۔۱۰ مولانا مسعود عالم ندوی نے حاضر المسلمی الهند و غابرهم کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی، جس کا مسودہ محب الدین خطیب مدیر جریدہ الفتح (قاہرہ) کو طباعت کی غرض سے بھیجا گیا، مگر وہ کتاب طبع نہ ہوسکی۔ اس کتاب کے دو ابواب مولانا مسعود عالم کی خواہش پر مولانا محمد ناظم ندوی نے لکھے تھے، اور انھی کے نام سے کتاب میں شامل ہوئے تھے۔۱۱ مولانا محمد ناظم ندوی نے جدید اصول ومنہج پر تدریس وتعلیم عربی زبان کی غرض سے چار اجزا پر مشتمل ایک عربی ریڈر المنهج الجديد لدراسة اللغة العربية کے نام سے تالیف کی۔

۲۔ مولانا محمد ناظم ندوی کا مکتوب گرامی

بسم الله الرحمٰن الرحيم

بیت ناظم

۱۴۲۳اے درخشاں سوسائٹی

کراچی-۳۷.

۱۵/ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ/ ۱۱/اگست ۱۹۸۷ء

جناب ارشد صاحب

سلام مسنون

۸/۱۱ کو آپ کا خط موصول ہوا۔ آپ کی خواہش کی تکمیل کردی گئی، چونکہ میں ایک عرصہ سے بعض عوارض میں مبتلا ہوں لہٰذا کوئی مبسوط مقالہ لکھنا میرے لیے مشکل ہے لہٰذا چند سطریں سپرد قلم کرکے ارسال کررہا ہوں۔ والعذر عند كرام النّاس مقبول۔

حسن اتفاق سے مولانا علی میاں کو بھی آج ہی خط لکھ رہا تھا لہٰذا آپ کے کام کا بھی ذکر کردیا ہے اور اپنی ان چند سطروں کا بھی۔

محمد ناظم ندوی

۳۔ سید ابوالحسن علی ندوی: شخصیت وفکر (مولانا محمد ناظم کی تحریر)

صدیق محترم مولانا علی میاں ایک عالمی شہرت کے عالم دین، صاحب پیام صوفی، مؤلف ومحقق شخصیت کے حامل ہیں۔ وہ سارے عالم اسلام میں ایک داعی دین، دانشور اور مفکر کی حیثیت سے معروف ہیں۔ ان کے عہد حیات ہی میں ان کے

عظیم کارناموں پر کام شروع ہوگیا ہے۔ وہ نابغۂ زمانہ اور وہبی صلاحیتوں کے حامل ہیں۔ میری ان سے پہلی ملاقات اس وقت ہوئی جب انہوں نے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ایک جلسہ میں عربی زبان میں سیرت پر تقریر کی تھی۔ یہ واقعہ ۱۹۲۹ء کا ہے۔ میرے دوست مولانا مسعود عالم صاحب ندوی مرحوم نے حیرت واستعجاب سے اس نوعمر ہونہار طالب علم کی تقریر سن کر مجھ سے چند کلمات میں تعارف کرایا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب لکھنؤ یونیورسٹی کے شعبۂ ادبِ عربی کے درجۂ فاضل کا امتحان دینے والے تھے یا امتحان دے چکے تھے۔ ان کے ابتدائی اساتذہ میں مولانا خلیل عرب یمانی [۱۱] تھے جن سے انھوں نے ادبِ عربی کی تعلیم پائی تھی اور اسی زمانہ سے عربی زبان میں لکھنا اور بات کرنا سیکھا تھا۔ جناب خلیل عرب لکھنؤ یونیورسٹی میں استاد تھے۔ وہ نحو، لغت اور بلاغت کے مسلّم عربی النّسل یمانی ادیب ولغوی تھے۔ ان کے علم وفضل کا اعتراف ڈاکٹر عبدالوہاب عزّام مرحوم [۱۳] نے جب وہ مصری سفیر کی حیثیت سے کراچی میں مقیم تھے [؟]۔ وہ اپنے ہم نام الخلیل کی طرح نحو کے امام تھے۔

سادات حسنی کے ایک مشہور ومعروف خانوادہ سے ان (سید ابوالحسن علی ندوی) کا نسبی تعلق ہے۔ یہ خانوادہ اپنے علم و فضل، تقوی وطہارت اور اسلامی خدمات میں مشہور ومعروف ہے۔ ان کے والد حضرت مولانا عبدالحیؒ مؤلف نزھۃ الخواطر [۱۴] کا ان کی کمسنی میں انتقال ہوگیا تھا لہٰذا ان کی تربیت وتعلیم کا کام ان کے بڑے بھائی جناب ڈاکٹر سید عبدالعلیؒ ناظم ندوۃ العلماء [۱۵] نے انجام دیا۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں حضرت مولانا حیدر حسن خاں ٹونکی [۱۶] صدر مدرّس دارالعلوم سے انہوں نے حدیث کی تعلیم پائی، مولانا شبلی مدرّسِ فقہ دارالعلوم ندوہ [۱۷] سے فقہ کی بعض کتابیں پڑھیں، اس کے علاوہ علامہ تقی الدّین الہلالی مراکشی سے ادب عربی میں استفادہ کیا۔ [۱۸] علامہ الہلالی کا چند ماہ قبل سو سال سے زیادہ عمر کے بعد مراکش میں انتقال ہوا۔ اس ماہ مجلّہ البعث الاسلامی میں علامہ تقی الدین الہلالی پر ایک مبسوط مقالہ آیا ہے [۱۹] جس میں مولانا علی میاں کا بار بار ذکر آیا ہے۔

(۱) علامہ تقی الدین الہلالی نے وطن میں واپسی کے بعد وہاں کے ایک عربی رسالہ الدّعوۃ میں اپنے ایک مقالہ میں مولانا ابوالحسن علی ندوی اور مولانا مسعود عالم صاحب ندویؒ اور راقم السطور کا خصوصی ذکر کیا ہے۔ ہم تین افراد عربی زبان کے شوقین شمار ہوتے تھے اور برِصغیر میں بہت سے لوگوں کو ان تین احباب کا اس حیثیت سے علم ہے۔ میں تو گوشۂ گمنامی میں کچھ نہیں کرسکا اور مولانا مسعود عالم صاحب ۴۴ کی عمر میں دنیا سے رخصت ہوگئے اور بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ وہ صاحب طرز اعلیٰ درجہ کے انشاء پرداز اور وسیع العلم، وسیع القلب، کثیر الاحباب عالم ودینِ اسلام کے غلبہ کا دل میں جذبۂ بے پایاں رکھتے تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مسعود عالم صاحب مولانا علی میاں کے مخلص دوست تھے۔

البتہ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی اطال اللہ عمرہ نے وہ کام کیا اور وہ کام کررہے ہے جو ایک جماعت بھی نہیں کرسکتی ہے۔ وہ دینِ اسلام کے مبلغ ہیں، صاحبِ قلب، زاہد وعابد، صوفی وصافی، بے انتہا متواضع اور اس عہد کے بہترین نبض شناس، دین کی دعوت دینے کا وہ سلیقہ رکھتے ہیں جو بہت لوگوں کو حاصل نہیں ہے۔ حکام، امراء، سلاطین، علماء، صوفیہ، مبلغین میں سے ہر ایک طبقہ سے وہ اس اسلوب سے گفتگو یا خطاب کرتے ہیں کہ ہر فرد ان کی تقریر سے متأثر ہوتا ہے اور ان کے [کذا، کی] پُرخلوص باتوں کی وجہ سے ان سے تعلق رکھتا ہے۔ ان کے برادر مکرّم ڈاکٹر عبدالعلی صاحبؒ ناظم ندوۃ العلماء کے بعد علی میاں کے عہد

زرّیں میں دارالعلوم ندوہ نے جو ترقی کی ہے اس کی مثال نہیں ملتی ہے۔[۲۰] کلی پھول بن کر عطر بیز ہوگئی ہے، قطرہ دریا بن کر تشنگی دور کررہا ہے۔ وہ بیک وقت اردو زبان اور عربی زبان کے خطیب ہیں اور اسی پایہ کے دونوں زبانوں کے انشاء پرداز بھی ہیں۔ گزشتہ سال میں جب جدّہ گیا تو ایک بڑے عربی ادیب وخطیب نے نجی مجلس میں کہا کہ سارے عالم عرب میں مولانا ابوالحسن علی کے برابر کوئی دوسرا عالم دین نہیں ہے۔ چونکہ وہ ایک دینی خانوادہ کے چشم و چراغ ہیں انہیں اس بات کا احساس ہے کہ سادات کرام پر اسلام کا، اس کی تبلیغ کا بڑا حق ہے اور اس کے احکام پر عمل کرنے کی زیادہ ذمہ داری ہے۔ وہ اس احساس ذمہ داری کے ساتھ لکھتے اور تقریر کرتے ہیں اور لوگوں کو دین اسلام کی دعوت دیتے ہیں۔ خاتم الانبیاء علیہم السّلام کی سیرت میں وہی عملی نمونہ ہے جس کو قرآنِ کریم نے ان اجری الا علی اللہ کے ذریعہ اعلان کیا ہے، چونکہ علماء ورثۃ الانبیاء ہیں لہٰذا ان کے سامنے بھی اجرِ آخرت ہی کا تصوّر رہتا ہے۔ قرآنِ کریم کی اس تعلیم کا بڑا مظہر حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی کی ذات گرامی ہے۔ چونکہ میرے تعلق کا زمانہ بہت طویل ہے جس کا آغاز ۲۹ء سے ہوا اور یہ تعلق بڑھتا رہا۔ تحصیلِ علوم میں رفاقت کے بعد تدریس کے زمانہ میں بھی رفاقت رہی، پھر مولانا کا تعلق حضرت مولانا الیاس کاندھلوی[۲۱] نظام الدّین بستی سے ہوا اور تبلیغی دورے میں بھی باہر جاتے اور بعض دوروں میں راقم السّطور کو بھی رفاقت کی سعادت حاصل ہوئی۔

ما و مجنون ہم سبق بودیم در مکتب عشق ۲۲ او بصحرا رفت و ما در کوچہ ہا رسوا شدیم

مولانا علی میاں کی خوش نصیبی یہ ہے کہ انہوں نے اپنے زمانہ کے بہت سے نامی وگرامی علماء، صوفیہ، صلحاء، محدّثین اور ادباء سے استفادہ کیا۔ علامہ خلیل عرب اور علامہ تقی الدّین الہلالی مراکشی کے علاوہ حضرت مولانا شیخ حیدر حسن خاں، مولانا شبلی فقیہ، مولانا سید سلیمان ندوی، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ[۲۳]، مولانا زکریاؒ[۲۴]، مولانا احمد علی لاہوری[۲۵]، مولانا عبدالرحیم رائے پوریؒ[۲۶] وغیرہ سے دینی وعلمی استفادہ کیا، ان کی صحبت میں رہ کر فیوض وبرکات حاصل کیے اور انہیں حق ہے کہ کہیں تمتع ز ہر گوشۂ یافتم۔[۲۷]

۲۰-۲۵ سال قبل حرم کعبہ میں جناب خمینی قائدِ انقلابِ ایران، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا ابوالحسن علی ندوی کا ایک مرتبہ اجتماع ہوا۔ جناب خمینی نے مولانا ابوالحسن علی ندوی سے دعا کی درخواست کی۔ مولانا نے دعا کی اور عالم اسلام کے حق میں دعا میں قرآن کریم کی اس دعا کو بھی شامل کیا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَئُوْفٌ رَّحِیْمٌ (الحشر، ۵۹:۱۰)، اس پر مولانا مودودی نے بھی مولانا موصوف کو یہ کہہ کر داد دی کہ آپ نے یہاں بھی..... رسید کیا۔ اسی طرح جناب خمینی نے ایک دینی وروایتی مثل کے بیان میں غلطی کی تو مولانا علی میاں نے فوراً اس کی اصلاح کی۔

صدیقِ محترم مولانا ابوالحسن علی ندوی کی تالیفات کی تعداد سو سے زیادہ ہے، جن میں متعدد کتابیں کئی کئی جلدوں پر مشتمل ہیں، ان میں کتابچے بھی ہیں۔ عربی زبان کے علاوہ انگریزی میں بھی بعض کتابوں کے ترجمے ہوئے ہیں۔ میرا عالم عرب جب بھی جانے کا اتفاق ہوا لوگوں نے مولانا علی میاں اور مولانا مودودی کی خیریت دریافت کی۔ علی میاں کی بہت سی خوبیوں

کے علاوہ ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ وسیع القلب ہیں، نظریاتی اختلاف کے باوجود اہل علم اور اہل فضل کا بڑی فراخ دلی سے اعتراف کرتے ہیں کہ نہ صرف اعتراف کرتے بلکہ بڑی تفصیل سے اس [کذا، ان] کے علم وفضل کا اور اس [کذا، ان] کی تالیفات سے جو مجموعی فائدہ پہنچا ہے اس کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ وہ وسیع القلبی ہے جو بہت کم اہل علم معاصرین میں پائی جاتی ہے، بلکہ المعاصرۃ اصل المنافرۃ کا ظہور ہوتا ہے۔ بلکہ بعض حضرات کے نزدیک چند کوتاہیوں یا غلطیوں کو ہدف تنقید بنا کر اس [کذا، ان] کی تمام خوبیوں کو نظر انداز کر کے ہی تشفی وتسلی ہوتی ہے۔

محمد ناظم ندوی

جناب ارشد صاحب آپ کی علمی درخواست کی تکمیل کر دی گئی۔ یہ چند سطریں تو مولانا علی میاں جیسی نابغۂ روزگار ہستی کے لیے کافی نہیں ہے [کذا، ہیں] مگر ''جہد المقل'' یہی ہے۔

حواشی وتعلیقات:

۱ مولانا مسعود عالم ندوی (۲۱ر محرم ۱۳۲۸ھ/ ۱۱ر فروری ۱۹۱۰ء تا ۱۰ر رجب ۱۳۷۳ھ/ ۱۶ر مارچ ۱۹۵۴ء): مولانا مسعود عالم ندوی ۲۱ر محرم ۱۳۲۸ھ/ ۱۱ر فروری ۱۹۱۰ء کو صوبۂ بہار میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی عربی و فارسی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی، اور بہار شریف کے ہائی اسکول میں داخل ہوئے۔ تحریک خلافت کے دنوں میں انگریزی اسکولوں، کالجوں کے بائیکاٹ کی تحریک نے زور پکڑا تو ان کے والد نے انہیں مدرسہ عزیزیہ میں داخل کرا دیا۔ مدرسہ عزیزیہ سے فراغت کے بعد بہار کے مدرسہ شمس الہدیٰ (پٹنہ) میں داخل ہوئے۔ چند ماہ مدرسہ امینیہ دہلی میں بھی گزارے۔ اکتوبر ۱۹۲۷ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء (لکھنؤ) میں داخل ہوئے۔ یہیں ان میں عربی زبان وادب کا ذوق بیدار ہو کر پختگی اختیار کر گیا۔ شیخ تقی الدین الہلالی المراکشی استاد عربی ادب سے انھوں نے خوب استفادہ کیا۔ دارالعلوم سے فراغت کے بعد لکھنؤ یونیورسٹی سے فاضل ادب کا امتحان پاس کیا۔ مولانا سید سلیمان ندوی اور علامہ تقی الدین الہلالی نے ندوۃ العلماء سے عربی میں ایک ماہنامہ رسالہ الضیاء کے نام سے جاری کرنے کا ڈول ڈالا تو مولانا مسعود عالم کو اس رسالے کی ادارت کی ذمہ داری تفویض کی گئی۔ الضیاء کا پہلا شمارہ محرم ۱۳۵۱ھ/ مئی ۱۹۳۲ء کو نکلا۔ دو سال تک یہ رسالہ ڈاکٹر ہلالی کے زیر نگرانی مولانا مسعود عالم کی ادارت میں نکلتا رہا۔ ۱۳۵۲ھ میں شیخ الہلالی دارالعلوم سے علیحدہ ہو کر عراق چلے گئے تو اس رسالے کی ادارت کی پوری ذمہ داری مولانا مسعود عالم کے ذمے آ پڑی۔ یہ رسالہ عالم عرب کے مؤقر حلقوں میں ان کے تعارف کا ذریعہ بن گیا۔ مولانا مسعود عالم الضیاء کے ایڈیٹر کے علاوہ دارالعلوم میں عربی ادب وانشاء کے معلم بھی تھے۔ ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء میں انھوں نے ندوۃ العلماء چھوڑ کر اخبار مدینہ (بجنور) کے عملہ ادارت میں شمولیت اختیار کر لی۔ تقریباً چھ سات ماہ بعد ندوۃ العلماء واپس آ گئے، لیکن جلد ہی خدا بخش اورینٹل لائبریری پٹنہ میں کیٹلاگر ہو کر چلے

گئے (۱۶/دسمبر ۱۹۳۷ء) اور سات سال اس لائبریری سے وابستہ رہے۔ مولانا مسعود عالم ندوی ندوۃ العلماء کے ان معدودے فضلاء میں سے تھے جو سید ابوالاعلیٰ مودودی کی فکری دعوت سے متاثر ہوکر جماعتِ اسلامی سے وابستہ ہوئے، اور اس کے نہایت سرگرم داعی بن گئے۔ ۱۹۴۲ء میں وہ جماعتِ اسلامی کے عربی نشرواشاعت کے شعبہ کے انچارج ہوکر پہلے دارالاسلام پٹھان کوٹ اور بعد ازاں جالندھر چلے گئے۔ وہاں انھوں نے دارالعروبہ للدعوۃ الاسلامیہ کے نام سے نشرواشاعت کے لیے ایک ادارہ قائم کیا۔ قیام پاکستان کے بعد وہ پاکستان چلے آئے اور راولپنڈی میں دارالعروبہ کا دفتر قائم کیا۔ ساتھ ہی انھوں نے مولانا سید ابوالاعلیٰ کی متعدد تحریروں: دین حق، اسلام اور جاھلیت، جھاد فی سبیل اللہ، اور شھادتِ حق وغیرہ کا عربی میں ترجمہ کیا۔ مولانا مسعود عالم نے سید ابوالاعلیٰ مودودی کی فکر اور تحریک کو عالم عرب میں متعارف کرانے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ اس غرض سے انھوں نے جماعت اسلامی کے سفیر اور ترجمان کی حیثیت سے عرب ممالک کا متعدد بار سفر بھی کیا۔ اس دور میں عالم عرب کے مؤقر ترین اسلامی مجلات المسلمون، الدعوۃ، منبر الشرق اور الفتح وغیرہ میں ان کے مضامین شائع ہوتے رہے۔ ۵/اکتوبر ۱۹۴۸ء وہ جماعتِ اسلامی کے حلقۂ راولپنڈی کے امیر مقرر کیے گئے۔ ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت کے دوران میں گرفتار ہوئے اور چار ماہ کی اسیری کے بعد ۲/اگست ۱۹۵۳ء کو رہا ہوئے۔ مارچ کے اوائل میں اپنے پاسپورٹ کی توسیع وتجدید کے سلسلے میں کراچی پہنچے جہاں ۱۶/مارچ ۱۹۵۴ء/ ۱۰/رجب ۱۳۷۳ھ کو اس جہان فانی سے انتقال کر گئے۔ مولانا مسعود عالم ندوی کی تصانیف میں سے حسب ذیل بطور خاص قابل ذکر ہیں: ۱۔ مولانا سندھی اور ان کے افکار و خیالات پر ایک نظر (بانکی پور، پٹنہ: مکتبۂ دین ودانش، س۔ن۔)؛ ۲۔ ھندو ستان کی پھلی اسلامی تحریک (پہلی بار ۱۳۶۵ھ میں شائع ہوئی)؛ ۳۔ دیار عرب میں چند ماہ؛ ۴۔ محمد بن عبدالوھاب ایک بدنام اور مظلوم مصلح؛ ۵۔ محاسنِ سجاد (ابوالمحاسن مولانا محمد سجاد بہاری، م ۲۱ شوال ۱۳۵۹ھ/۲۳ نومبر ۱۹۴۰ء) کے بارے میں تاثراتی تحریروں کا مجموعہ)؛ ۶۔ اشتراکیت اور اسلام؛ ۷۔ عربوں کی قومی تحریک؛ ۸۔ نظرۃ اجمالیۃ؛ ۹۔ حاضر المسلمی الھند و غابرھم (عربی: غیر مطبوعہ جس کے دو ابواب مولانا محمد ناظم ندوی کے قلم سے ہیں)؛ مکاتیب سلیمان (ترتیب وتحشیہ)۔ مولانا مسعود عالم ندوی کے احوال وآثار اور علمی وادبی کارناموں کے بارے میں ملاحظہ ہو: سید سلیمان ندوی، ''مقدمہ''، مشمولہ مسعود عالم ندوی، مولانا سندھی اور ان کے افکار و خیالات پر ایک نظر، ص ۷ الف تا ۲۲ الف؛ مولانا ابوالحسن علی ندوی، پرانے چراغ (کراچی: مجلسِ نشریاتِ اسلام، س۔ن)، جلد ۱، ص ۳۱۷۔۳۵۷؛ وہی مصنف، کاروانِ زندگی (کراچی: مجلسِ نشریاتِ اسلام، س۔ن۔)، جلد ۱، ص ۱۱۶۔۱۱۸؛ اختر راہی، مسعود عالم ندوی: سوانح و مکتوبات (گجرات: مکتبۂ ظفر ناشر قرآنی قطعات، ۱۹۷۵ء)، ص ۱۷۔۳۹؛ اعجاز الحق قدوسی، اقبال اور علمائے پاک وھند (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۷۷ء)، ص ۳۵۷-۳۶۷؛ سید اسعد گیلانی، مسافرانِ عدم (لاہور: حسنات اکیڈمی، س۔ن۔)، ص ۳۶۔۵۰۔

۲ تفصیل کے لیے دیکھیے: محمد ناظم ندوی، ''میرا مطالعہ''، سہ ماہی الزبیر (بہاولپور)، کتب خانہ نمبر، شمارہ ۱۱ (۱۹۶۷ء)،

ص۵۷۰ ت۔۵۷۵؛محمد راشد شیخ،''ندوہ کا ایک درخشاں ستارہ مولانا محمد ناظم ندوی''،بانگ حرا (لکھنؤ)،جلد۴،شمارہ ۷ جولائی ۲۰۰۵ء،ص۲۶ ت۔۳۰، ۳۷۔

۳؎ ڈاکٹر علامہ تقی الدین الہلالی المراکشی (۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء/۱۸۹۴ء تا ۱۴۰۷ھ/۱۴۰۸ھ/۱۹۸۷ء)، مراکش کے علاقہ سجل ماسہ کے ایک قریہ رسانی میں پیدا ہوئے۔ حفظِ قرآن اور ابتدائی دینی تعلیم کے بعد الجزائر کا سفر کیا اور وہاں علماء سے حدیث و فقہ کی تحصیل کی۔ وہاں سے ۱۹۲۰ء کی دہائی میں مصر چلے گئے اور جامعۂ ازہر میں داخلہ لے لیا تاہم زیادہ تر استفادہ علامہ سید رشید رضا سے کیا۔ اخوان المسلمون کے بانی حسن البنا کے افکار و خیالات سے بھی گہرے طور سے متاثر ہوئے۔ مراکش میں اخوان المسلمون کی شاخ قائم کرنا چاہی،لیکن فرانسیسی سامراجی حکام نے گرفتار کرلیا، رہائی پر وطن سے ہجرت پر مجبور کر دیے گئے۔ غیوبت میں انھیں مراکش میں فرانسیسی اقتدار کے خلاف سرگرمیوں کے الزام میں سزائے موت سنائی گئی۔ علامہ موصوف ادائیگی فریضۂ حج کے بعد ۱۹۲۸ء/۱۹۲۹ء کے لگ بھگ ہندوستان چلے آئے اور بنارس میں مقیم ہوئے۔ ہندوستان میں قیام کے دوران میں علامہ عبدالرحمٰن مبارک پوری (م۱۳۵۳ھ/۱۹۳۵ء) صاحب تحفة الاحوذی فی شرح سنن الترمذی سے حدیث پڑھی۔ جلد ہی لکھنؤ یونیورسٹی میں عربی زبان و ادب کے استاد مقرر ہوئے۔ بعد ازاں ناظم ندوۃ العلما ڈاکٹر سید عبد العلی اور معتمدِ تعلیمات مولانا سید سلیمان ندوی کی دعوت پر دار العلوم ندوۃ العلما میں عربی زبان و ادب کے استاذِ اعلیٰ کے طور پر انھوں نے تدریس کے فرائض سنبھال لیے۔ تقی الدین ہلالی مراکشی کی دار العلوم ندوۃ العلما میں آمد اور چار سالہ قیام (۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء تا ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء) سے دار العلوم میں عربی زبان و ادب کی تعلیم کا نیا دور شروع ہوا جس کے نتیجہ میں دار العلوم کے طلباء و فضلاء میں عربی کے متعدد ادیب و انشاء پرداز پیدا ہوئے جن کی شہرت ہندوستان کے حدود سے متجاوز ہوکر بلادِ عربیہ تک پہنچی، عربی زبان کا جدید نصاب تیار ہوا اور الضیاء (مسعود عالم ندوی کی ادارت میں) کا اجراء ہوا۔ علامہ تقی الدین ہندوستان سے اپنے ملک مراکش چلے گئے۔ بعد ازاں انھوں نے بون یونیورسٹی (جرمنی) سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی (۱۹۴۰ء) اور جرمن ریڈیو کے شعبۂ عربی نشریات سے بہ حیثیت عربی مترجم منسلک ہوئے۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد عراق چلے گئے اور بغداد یونیورسٹی کے کلیۃ التربیۃ میں علوم اسلامیہ کے استاد مقرر ہوئے۔ مراکش کی آزادی کے بعد اپنے وطن چلے گئے اور محمد خامس یونیورسٹی رباط میں تدریسی ذمہ داریاں سنبھال لیں (۱۹۵۹ء)۔ سعودی حکومت کی دعوت پر ۱۹۶۸ء سے اسلامیہ یونیورسٹی مدینہ منورہ میں تدریس کی خدمات انجام دینے لگے۔ مسجد نبوی میں تدریس اور امامت و خطابت کے فرائض بھی انجام دیے۔ علامہ تقی الدین الہلالی انگریزی و فرانسیسی پر بھی عبور رکھتے تھے۔ وہ مدینۂ منورہ میں وہ درس و تدریس کے علاوہ انگریزی میں قرآن حکیم اور بخاری شریف اور حدیث کی بعض دوسری کتابوں کے ترجمہ میں مشغول رہے۔ ان کی شہرت کی ایک بڑی وجہ ڈاکٹر محمد محسن خان کے اشتراک سے قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ و تفسیر حواشی *The Noble Qur'an* ہیں جو الریاض سے ۱۹۹۶ء (دار السلام پبلشرز) سے شائع ہوا۔

علامہ تقی الدین الہلالی کے احوال و آثار، خصوصاً دار العلوم ندوۃ العلما میں عربی زبان و ادب کے فروغ کے سلسلے میں ان

کی خدمات نیز فضلاے دارالعلوم پر ان کے فکری اثرات کے لیے دیکھیے: عبدالماجد دریابادی (مرتب)، مکتوباتِ سلیمانی (لکھنؤ: صدق جدید بک ایجنسی، ۱۹۶۷ء)، جلد۲، ص۳۰، حاشیہ۹۵؛ سید ابوالحسن علی ندوی، حیات عبدالحی (کراچی: مجلس نشریات اسلام، س۔ن۔)، ص۳۷۶-۳۷۷؛ وہی مصنف، کاروانِ زندگی (کراچی: مجلس نشریات اسلام، س۔ن)، جلد۱، ص۱۱۵-۱۱۸؛ وہی مصنف، ''میری محسن کتابیں''، مشمولہ مولانا محمد عمران خان ندوی (مرتب)، مشاهیر اهلِ علم کی محسن کتابیں (کراچی: مجلسِ نشریاتِ اسلام، ۲۰۰۴ء)، ۱۷۰-۱۷۲؛ شمس تبریز خاں، تاریخ ندوۃ العلما (لکھنؤ: مجلس صحافت ونشریات ندوۃ العلما، ۱۴۳۲ھ/۲۰۱۱ء)، جلد۲، ۴۱۵-۴۱۷، ۴۲۲؛ سعید الاعظمی الندوی، ''العلامہ الدکتور محمد تقی الدین الہلالی المراکشی''، البعث الاسلامی (لکھنؤ)، جلد۳۲، شمارہ۵ (محرم الحرام ۱۴۰۸ھ/ستمبر ۱۹۸۷ء)، ص۸۰-۹۰؛ جلد۳۲، شمارہ۶ (ربیع الاول ۱۴۰۸ھ/اکتوبر، نومبر ۱۹۸۷ء)، ص۸۰-۹۰۔ تقی الدین الہلالی کے افکار وخیالات کے جائزہ کے لیے دیکھیے:

Henri Lauziere, "*The Evolution of the Salafiyya in the Twentieth Century Through the Life and Thought of Taqi al-Din al-Hilali*", Ph.D. Dissertation, Georgetown University, USA, 2008, 446 pages.

۴۔ محمد اسحاق جلیس ندوی، تاریخ ندوۃ العلماء (لکھنؤ: مجلس صحافت ونشریات ندوۃ العلماء، ۱۴۳۲ھ/۲۰۱۱ء)، جلد۲، ص ۴۱۶، ۴۲۲-۴۲۳۔

۵۔ سید ابوالحسن علی ندوی، کاروانِ زندگی، جلد۱، ص۱۱۵-۱۱۸؛ وہی مصنف، حیاتِ عبدالحی، ص۳۷۶-۳۷۷؛ وہی مصنف، پرانے چراغ (کراچی: مجلسِ نشریاتِ اسلام، س۔ن۔)، جلد۱، ص۳۲۰-۳۲۲۔

۶۔ سید محمد حمزہ حسنی ندوی (مرتب)، مکتوباتِ مفکرِ اسلام مولانا سید ابولحسن علی ندوی (کراچی: مجلسِ نشریاتِ اسلام، ۲۰۰۵)، جلد۲، ص۳۹۷۔

۷۔ محمد اسحاق جلیس ندوی، تاریخ ندوۃ العلماء، جلد۲، ص۴۴۴۔

۸۔ سید ابوالحسن علی ندوی، کاروانِ زندگی، جلد۱، ص۲۸۶۔

۹۔ محمد راشد شیخ، ''ندوہ کا ایک درخشاں ستارہ مولانا محمد ناظم ندوی''، ص۲۹-۳۰، ۳۷۔

۱۰۔ عربی ادب میں مولانا محمد ناظم ندوی کی خدمات کے تنقیدی جائزہ کے لیے ملاحظہ ہو: ابوالحسن علی الندوی، ''تقدیم''، مشمولہ محمد ناظم ندوی، باقة الازهار (کراچی: دارالتالیف والترجمہ، ۱۹۷۹ء)، ص۱تا۲؛ سید احمد زکریا الغوری (مرتب)، مقدمات امام ابی الحسن الندوی (دمشق/بیروت: دارابن کثیر، ۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء)، جلد۲، باب ''مقدمات لکتب الادب العربی''؛ محمد اجتباء ندوی، ''هندوستان میں عربی ادبیات''، معارف (اعظم گڑھ)، جلد۱۷۹، شمارہ۴ (ربیع الاول ۱۴۲۸ھ/اپریل ۲۰۰۷ء)، ص۲۸۴؛ حامد اشرف ہمدانی، شعراء العربیة فی باکستان (لاہور: شعبۂ تصنیف وتالیف، جامعہ پنجاب، ۲۰۱۲ء)، ص۳۳۰ تا۳۳۹۔

۱۱ اختر راہی، مسعود عالم ندوی: سوانح و مکتوبات، ص۴۳، حاشیہ۔

۱۲ شیخ خلیل بن محمد عرب، استاذ عربی زبان و ادب لکھنؤ یونیورسٹی، ودارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ شیخ خلیل عرب خالص عربی النسل تھے، لیکن ان کی ولادت بھوپال میں ہوئی۔ سب سے پہلے ان کے دادا شیخ حسین بن محسن انصاری حدیدہ یمن سے بعہد سکندر بیگم ۱۸۶۲ء میں بھوپال آئے۔ دوسری بار وہ ۱۸۶۹ء میں شاہجہان بیگم کے عہد میں آئے لیکن چار سال کے بعد پھر یمن چلے گئے۔ شیخ حسین مجتہدِ یمن علامہ قاضی محمد علی الشوکانی (م۱۲۵۰ھ) کے صاحبزادے علامہ احمد بن محمد علی الشوکانی اور دوسرے جلیل القدر علماے یمن کے شاگرد اور فن حدیث کے امام تھے۔ امیر الملک والا جاہ نواب صدیق حسن خان نے حجاز کے سفر میں ان سے سند حدیث لی اور انھیں بھوپال تشریف لانے کی دعوت دی۔ چنانچہ وہ ۱۸۷۹ء میں بھوپال آئے اور وہیں رہ پڑے۔ شیخ حسین کے قیام نے بھوپال کو دارالحدیث بنا دیا۔ ہندوستان میں ان کے درسِ حدیث کو بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ ان کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ ان کے تلامذہ میں نواب صدیق حسن خان، مولانا محمد بشیر سہسوانی، اور مولانا شمس الحق ڈیانوی (صاحب غایۃ المقصود) اور بہت سے مقتدر علماء شامل ہیں۔ شیخ محمد حسین کے بڑے صاحبزادے شیخ محمد بن حسین اپنے باپ کے ساتھ یمن سے بھوپال آئے تھے۔ وہ عرصہ دراز تک دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ادبِ عربی کے استاذِ اعلیٰ اور شیخ الحدیث رہے۔ شیخ خلیل اسی عرب گھرانہ میں ۱۳۰۴ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم علماے بھوپال اور اپنے والد سے حاصل کی اور تکمیل ندوۃ العلماء کے اساتذہ سے کی۔ وہ مولانا سید امیر علی ملیح آبادی (صاحب تفسیر مواہب الرحمٰن وتصانیف کثیرہ) کے شاگردِ خاص تھے۔ مولانا نے بعد از تکمیل کچھ عرصہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تدریس کی خدمت انجام دی۔ پھر تقریباً ۱۴ برس لکھنؤ یونیورسٹی میں عربی زبان و ادب کی تدریس کی خدمت انجام دی (۱۹۲۲-۱۹۳۶ء)۔ ہندوستان میں غیر مسلموں میں تبلیغ کا بڑا جذبہ رکھتے تھے۔ گو شیخ خلیل عرب نے اپنے اساتذہ اور شیوخ کے زیر اثر اہل حدیث کے مسلک کو اختیار کر لیا تھا اور وہ عامل بالحدیث تھے، بایں ہمہ تصوف سے لگاؤ رکھتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے لکھنؤ میں ایک بزرگ مولانا شاہ وارث حسن سے بیعت کر لی تھی۔ لکھنؤ یونیورسٹی سے سبکدوش ہونے کے بعد وہ اپنے وطن بھوپال منتقل ہو گئے، جہاں عرصہ تک وہ مجلسِ علماء کے رکن اور ولی عہد صاحبہ کے صاحبزادہ کے اتالیق رہے۔ تقسیم ہند کے بعد کراچی چلے آئے۔ کراچی میں دعوت وتبلیغ اور عربی زبان کی تعلیم واشاعت میں مشغول رہے۔ اسی شہر میں ۲۶ راگست ۱۹۶۶ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: سید ابوالحسن علی ندوی، پرانے چراغ، جلد ا، ص۲۰۷-۲۲۶؛ وہی مصنف، شخصیات و کتب (لکھنؤ: کلیۃ اللغۃ العربیۃ وآدابہا، ندوۃ العلماء لکھنؤ، س۔ن)، ص۹۲۔۱۱۱؛ وہی مصنف، حیاتِ عبدالحی، ص۷۹، ۳۷۲، ۳۸۴؛ کاروان زندگی، جلد ا، ص۸۸-۹۱۔

۱۳ ڈاکٹر عبدالوہاب عزام (۱۸۹۳-۱۹۷۶ء)، معروف مصری دانش ور، ادیب، مصنف اور سفارت کار۔ عرب لیگ کے پہلے سیکرٹری جنرل ہوئے (۱۹۴۵-۱۹۵۲ء)، اور پاکستان وسعودی عرب میں مصر کے سفیر کے طور پر خدمات انجام دیں۔ عبدالوہاب عزام کو قیام پاکستان کے دوران میں علماء اور اہل دانش کے ہاں بڑی قدر ومنزلت حاصل رہی۔

عبدالرحمٰن عزام انگریزی، فرانسیسی کے علاوہ اردو پر بھی دستگاہ رکھتے تھے۔ وہ اقبال کے شعر وفن کے شیفتہ و دلدادہ تھے۔ اقبال کے مختلف شعری دواوین سے چیدہ چیدہ نظمیں عربی میں منتقل کیں۔ یہ نظمیں عبدالماجد الغوری کی مرتبہ دیوان اقبال۔الاعمال الکاملة ۲ جلدیں (بیروت و دمشق: دارابن کثیر، ۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷ء) میں بھی شامل ہیں۔ مزید دیکھئے:

Zahid Munir Amir, "*A Non-Arab Poet Whose Songs Always Remained Arabian: Iqbal Studies, Urdu and Lebanon*", Journal of Research (Humanities), Vol. XLIX (Jan. 2013), pp. 145-164.

۱۴۔ نزهة الخواطر (عربی): ہندوستان کے اعلام (علماء ومشاہیر) کا دائرۃ المعارف، جو ہندوستان میں داخلۂ اسلام سے لے کر مصنف مولانا عبدالحی (۱۲۸۶-۱۳۴۱ھ تا ۱۸۶۹-۱۹۲۳ء) کے عہد تک کے چار ہزار سے زائد شخصیات کے سیر و تراجم پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب سات ضخیم جلدوں میں دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد دکن سے شائع ہوئی (۱۳۶۲ھ-۱۳۷۹ھ/ ۱۹۴۷ء-۱۹۵۹ء)۔

۱۵۔ سیدعبدالعلی (۱۳۱۱-۱۳۸۰ھ تا ۱۸۹۳-۱۹۶۱ء)): ابتدائی تعلیم اور عربی و فارسی کی کتب اپنے نانا سید عبدالعزیز اور دادا مولانا حکیم سید فخرالدین خیالی سے پڑھیں۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء سے اپنے والد حکیم سید عبدالحی اور دوسرے اساتذہ سے درسیات کی تکمیل کی۔ محدث یمانی شیخ حسین ابن محسن انصاری کو اولیات سنا کر حدیث کی اجازۃ حاصل کی۔ بعد ازاں دارالعلوم دیوبند سے مولانا محمود حسن سے بخاری و ترمذی اور مولانا انورشاہ کشمیری سے ابوداؤد پڑھی۔ طب کی تحصیل اپنے والد اور دادا سے کی، چھ ماہ تک دہلی میں حکیم اجمل خان کی خدمت میں بھی رہے۔ مولانا عبدالعلی نے عربی تعلیم کے ساتھ ساتھ جدید انگریزی تعلیم کی تحصیل بھی جاری رکھی۔ لکھنؤ کے ایک مشنری سکول سے ۱۹۱۵ء میں میٹریکولیشن کا امتحان پاس کیا۔ کیننگ کالج لکھنؤ سے انٹرمیڈیٹ (ایف ایس سی) کا امتحان ۱۳۳۵ھ/ ۱۹۱۷ء میں اور اسی کالج سے بی ایس سی کا امتحان ۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۹ء میں امتیاز کے ساتھ پاس کیا اور ۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء میں کنگ جارج میڈیکل کالج لکھنؤ میں داخل ہوگئے۔ اسی زمانہ میں ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۱ء انھوں نے تکمیل الطب کالج لکھنؤ میں تدریس کی خدمت بھی انجام دی۔ ۱۳۴۳ھ/ ۱۹۲۵ء میں میڈیکل کالج کی تعلیم سے فراغت حاصل کی اور لکھنؤ میں مطب کا آغاز کیا۔ سید عبدالعلی اپنے والد کی وفات پر ۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۲/ دسمبر ۱۹۲۳ء کو ندوۃ العلماء کے رکن انتظامی منتخب ہوئے تھے۔ ۱۳۴۷ھ/ ۱۹۲۸ء میں نائب ناظم اور تین سال بعد جون ۱۹۳۱ء سے ناظم ندوۃ العلماء منتخب ہوئے۔ وہ مئی ۱۹۶۱ء میں اپنی وفات تک مسلسل تیس سال تک ندوۃ العلماء کی نظامت کے منصب پر فائز رہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: سید ابوالحسن علی ندوی، حیات عبدالحی مع ضمیمہ مختصر حالات مولوی ڈاکٹر سید عبدالعلی، ص ۳۴۴-۳۹۸؛ وہی مصنف، شخصیات و کتب، ص ۸۰-۹۱۔

۱۶۔ مولانا حیدر حسن خان کی ولادت ریاست ٹونک راجپوتانہ میں ۱۲۸۱ھ/۱۸۶۴ء میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے برادرِ بزرگ مفتی محمد حسن خان اور اپنے دوسرے فاضل و متبحر بھائی مولانا محمود حسن خان اور شہر کے دوسرے علماء سے حاصل کی۔ لاہور کا سفر کیا اور مدرسہ نعمانیہ میں مولانا غلام احمد نعمانی کے دامن سے وابستہ ہوئے اور ان کی نگرانی میں علوم عقلیہ اور نقلیہ میں

وستگاہ پیدا کی۔ لاہور سے علوم مروجہ سے فراغت کے بعد شیخ حسین ابن محسن انصاری الیمانی کے درس حدیث میں شرکت کی اور ان سے صحاح ستہ کا درس لیا اور تمام صحاح و متداول کتب حدیث کی سند حاصل کی۔ مولانا حیدر حسن نے اسی عہد کے دوسرے استاد حدیث مولانا سید نذیر حسین دہلی (۱۲۲۰ھ-۱۳۲۰ھ/ ۱۸۰۵ء-۱۹۰۲ء) کے درس میں بھی شرکت کی اور ان سے بھی سند لی۔ تکمیل کے بعد اپنے وطن ٹونک میں مدرسہ ناصریہ میں تدریس کا آغاز کیا۔ اسی زمانہ میں حجاز کا سفر کیا اور حج و زیارت سے مشرف ہوئے اور مولانا امداد اللہ مہاجر مکی سے بیعت کی۔ واپسی پر ۱۹۲۱ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں شیخ الحدیث کے منصب پر مقرر ہوئے۔ ۱۹۴۰ء میں مولانا دارالعلوم ندوۃ العلماء سے ترک تعلق کر کے ٹونک چلے گئے اور وہاں مدرسہ فرقانیہ میں درس و تدریس میں تقریباً تین سال مشغول رہ کر ۱۵ر جمادی الاولیٰ ۱۳۶۱ھ/ ۱۱ر مئی ۱۹۴۲ء کو داعی اجل کو لبیک کہا۔ مولانا حیدر حسن خان بہت قلیل التصنیف تھے۔ صرف چند رسائل ان کی یادگار ہیں: ایک حجاب شرعی پر ان کا رسالہ (مطبع قیمہ، بمبئی)، دوسرا صاع اور مسئلہ رفع یدین پر ان کے رسائل جو یکجا ایک کتاب کی شکل میں شائع ہوئے۔ (احوال و آثار کے بارے میں معلومات کے لیے دیکھیے: سید ابوالحسن علی ندوی، کاروانِ زندگی، جلد ۱، ص ۱۱۱؛ وہی مصنف، پرانے چراغ (کراچی: مجلسِ نشریات اسلام، س-ن)، جلد ۱، ص ۱۸۳-۲۰۶۔

۱۷ مولانا شبلی مدرس فقہ، دارالعلوم ندوۃ العلماء، جو فقیہ ندوہ کے نام سے معروف ہیں۔ نواح ۱۸۷۲ء میں جیراج پور (ضلع اعظم گڑھ) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد عربی علوم کی تحصیل کے لیے فرنگی محل لکھنؤ اور پھر مدرسہ عالیہ رام پور گئے، وہاں کئی برس رہ کر تعلیم کی تکمیل کی۔ تکمیل کے بعد مدرسہ چشمۂ رحمت غازی پور میں عربی زبان و ادب کے استاد مقرر ہوئے۔ مولانا شبلی نعمانی انھیں دارالعلوم ندوۃ العلماء لے آئے (۱۹۰۶ء)، جہاں انھوں نے چالیس برس فقہ اور دیگر فنون کی تعلیم و تدریس کی خدمت انجام دی۔ وہ چالیس برس تک دارالعلوم کے دارالاقامہ کی نگرانی کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ ۱۹۴۵ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔ دیکھیے: محمد سہیل شفیق (مرتب)، وفیاتِ معارف (کراچی: قرطاس، ۲۰۱۳ء)، ص ۱۵۲-۱۵۳۔

۱۸ علامہ تقی الدین الہلالی کی دارالعلوم آمد اور عربی زبان و ادب کی تعلیم و تدریس کے بارے میں دیکھیے اوپر حاشیہ ۳۔

۱۹ دیکھیے: سعید الاعظمی الندوی، ''العلامہ الدکتور محمد تقی الدین الہلالی المراکشی''، البعث الاسلامی (لکھنؤ)، جلد ۳۲، شمارہ ۵ (محرم الحرام ۱۴۰۸ھ/ ستمبر ۱۹۸۷ء)، ص ۸۰-۹۰؛ جلد ۳۲، شمارہ ۶ (ربیع الاول ۱۴۰۸ھ/ اکتوبر، نومبر ۱۹۸۷ء)، ص ۸۰-۹۰۔

۲۰ ڈاکٹر سید عبدالعلی کے عہد نظامت میں ندوہ کی ترقی کے جائزہ کے لیے دیکھیے: محمد اسحاق جلیس ندوی، تاریخ ندوۃ العلماء، جلد ۲، ص ۳۹۲-۴۶۱۔

۲۱ سید ابوالحسن علی ندوی کا مولانا محمد الیاس کاندھلوی (م ۱۹۴۴ء) بانی تبلیغی جماعت کی ذات اور ان کی تبلیغی تحریک سے ربط و ضبط جنوری ۱۹۴۰ء میں قائم ہوا جو مؤخر الذکر کی وفات (جولائی ۱۹۴۴ء) کے بعد بھی برابر قائم رہا۔ سید ابوالحسن علی ندوی بانی تبلیغی جماعت کی شخصیت اور ان کی دینی دعوت سے بہت متاثر تھے۔ چنانچہ ان کی تحریک پر جنوری ۱۹۴۰ء میں

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے طلباء اور مضافات لکھنؤ میں تبلیغی کام کا آغاز کیا۔ وہ اہم اجتماعات میں مولانا کی موجودگی میں ان کی ترجمانی کی خدمت انجام دیتے رہے۔ مولانا ابوالحسن علی نے تبلیغی کام کے سلسلے میں نہ صرف ہندوستان کے مختلف علاقوں (بشمول لکھنؤ، بھوپال، کان پور، سیتاپور، کشمیر، ریاست پونچھ اور شمال مغربی سرحدی علاقوں ضلع ہزارہ، پشاور اور پنجتار وغیرہ) کے طویل سفر کیے بلکہ سرزمین حجاز میں بھی اس تحریک کو متعارف کرانے میں اہم کردار ادا کیا۔ سید ابوالحسن علی ندوی ان چند افراد میں سے تھے جنھیں مولانا محمد الیاس کی خصوصی محبت و شفقت اور ان کا قرب و اعتماد حاصل رہا۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: سید ابوالحسن علی ندوی، کاروان زندگی، جلد ۱، ص ۲۷۸-۳۱۱، ۳۲۶؛ سید ابوالحسن علی ندوی (مرتب)، **مکاتیب حضرت مولانا شاہ محمد الیاس** (کراچی: مجلسِ نشریات اسلام، ۱۹۹۳ء)، خصوصاً ص ۸-۸۵۔

۲۲ مولانا سے یہ شعر نقل کرنے میں تسامح ہوا ہے۔ شعر کے پہلے مصرعے میں لفظ ''مکتب'' کی جگہ ''دیوان'' آیا ہے۔ مکمل شعر اس طرح سے آیا ہے:

ما و مجنون ہم سبق بودیم در دیوان عشق او بصحرا رفت و ما در کوچہ ہا رسوا شدیم

۲۳ سید ابوالحسن علی ندوی کو اپنے عہد کے جن بزرگ علماء سے شرف تلمذ حاصل ہوا نیز جن سے خاص ذہنی و فکری اور روحانی مناسبت رہی ان میں مولانا سید حسین احمد مدنی (۱۸۷۹-۱۹۵۷ء) بھی شامل ہیں۔ سید ابوالحسن علی ۱۳۵۱ھ/۱۹۳۲ء کے دوران میں چند ماہ دیوبند میں مقیم ہو کر مولانا حسین احمد کے درس حدیث میں شریک رہے۔ سید ابوالحسن علی کے برادر معظم مولانا سید حسین احمد مدنی سے بیعت و ارادت کا تعلق رکھتے تھے۔ اس خاندانی ماحول کے زیر اثر مولانا حسین احمد مدنی سے ان کے علمی و روحانی استفادے کا سلسلہ دورِ مابعد بھی جاری رہا۔ دیکھیے: سید ابوالحسن علی ندوی، **کاروانِ زندگی**، جلد ۱، ص ۱۲۹-۱۳۰؛ وہی مصنف، **پرانے چراغ**، جلد ۱، ص ۹۶-۱۱۶۔

۲۴ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو مولانا محمد الیاس کاندھلوی کے بعد تبلیغی جماعت کی جس شخصیت سے خاص مناسبت رہی وہ مولانا محمد زکریا کاندھلوی (۱۸۹۸-۱۹۸۲ء) ہیں۔ دونوں کے مابین تبلیغی کام سے متعلق حکمت عملی، دعوت کے پھیلاو وغیرہ امور سے متعلق طویل مراسلت بھی ہوئی۔ دونوں کے درمیان روابط کے بارے میں دیکھیے: سید ابوالحسن علی ندوی، **کاروانِ زندگی**، جلد ۱، ص ۲۸۹، ۳۲۰-۳۲۲، ۳۲۸؛ سید محمد حمزہ حسنی (مرتب)، **مکتوباتِ مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی** (کراچی: مجلسِ نشریاتِ اسلام، ۲۰۰۳ء)، جلد ۱، ص ۱۴۹-۱۶۳؛ جلد ۲ (کراچی، ۲۰۰۵ء)، ص ۱۱-۴۶۵؛ وہی مصنف، **سوانح شیخ الحدیث محمد زکریا کاندھلوی** (کراچی: مجلسِ نشریاتِ اسلام، س۔ن)، خصوصاً دیباچہ۔

۲۵ مولانا احمد علی لاہوری (م ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۲ء) سے استفادے کے لیے سید ابوالحسن علی ندوی نے ۱۹۳۰-۱۹۳۴ء کے درمیان میں متعدد بار لاہور کا سفر کیا۔ پہلے سفر (۱۹۳۱ء) میں انھوں نے مولانا احمد علی سے سورہ بقرہ کا ابتدائی حصہ پڑھنے کے علاوہ حجۃ اللہ البالغۃ کے درس میں شرکت کی۔ اس سفر میں مولانا احمد علی کے ایماء پر ان کے شیخ حضرت خلیفہ غلام محمد بہاول پوری کی خدمت میں (دین پور، ضلع خانپور) حاضری دی، اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ۱۳۵۱ھ/۱۹۳۲ء میں

ایک بار پھر لاہور کا سفر کیا اور مدرسہ قاسم العلوم کے باقاعدہ طالب علم بنے اور مدارس عربیہ کے فارغین یا منتہی طلباء کی کلاس (علماء کلاس جس میں مولانا عبید اللہ سندھی کے فہم قرآن و اسلوب تفسیر کی پیروی میں پورا قرآن مجید پڑھایا جاتا تھا) میں شرکت کی اور باقاعدہ سند حاصل کی۔ ۱۹۳۴ء میں مولانا کی ہدایت پر لاہور کا سفر کیا اور تین ماہ تک (اپریل تا جون) بادشاہی مسجد کے ایک حجرے میں مقیم ہو کر ذکر و شغل میں مشغول رہے۔ دیکھئے: سید ابوالحسن علی ندوی، کاروانِ زندگی، جلد ۱، ص ۱۲۷-۱۲۸، ۱۳۳-۱۳۴؛ وہی مصنف، پرانے چراغ، جلد ۱، ص ۱۴۰-۱۴۶، ۱۴۸-۱۵۲۔

۲۶ مولانا محمد ناظم ندوی سے سہو قلم ہوا ہے۔ سید ابوالحسن علی ندوی مولانا عبدالرحیم رائے پوری (م ۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۹ء) سے نہیں بلکہ ان کے خلیفہ و جانشین مولانا عبدالقادر رائے پوری (۱۲۹۱ھ/۱۸۷۴-۱۹۶۲ء) سے بیعت و ارادت کا تعلق رکھتے تھے۔ سید ابوالحسن علی ندوی کو مولانا عبدالقادر رائے پوری سے چاروں سلسلوں میں اجازت بھی حاصل تھی۔ مولانا عبدالقادر ہی کے ایماء پر انھوں نے اپنے سفر و قیام پاکستان (دسمبر ۱۹۵۷-اپریل ۱۹۵۸ء) کے دوران میں عرب دنیا کو قادیانیت کے عقائد و عزائم سے آگاہی کے لیے عربی میں ایک کتاب بعنوان القادیانی و القادیانیة تصنیف کی اور پھر انھی کے ایماء پر اسے اردو کے قالب میں ڈھالا جو قادیانیت کے نام سے پاکستان و ہند دونوں ملکوں سے شائع ہوا۔ دیکھئے: سید ابوالحسن علی ندوی، کاروانِ زندگی، جلد ۱، ص ۳۵۳-۳۵۸، ۴۴۷-۴۴۹)؛ وہی مصنف، سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری (کراچی: مجلس نشریاتِ اسلام، س۔ن)، ص ۲۹۸-۳۰۲۔

۲۷ سعدی شیرازی کا مکمل شعر اس طرح سے ہے:

تمتع زِ ہر گوشہ ای یافتم زِ ہر خرمنی خوشہ ای یافتم بوستان

الفرق کا تیسرا ایڈیشن شائع ہو گیا ہے

مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے عقائد و افکار اور ان پر نقد و جرح کے تذکرے پر مبنی اہم کتاب

الفَرق بین الفِرق

کا تیسرا ایڈیشن ادارۂ قرطاس کی جانب سے شائع کیا جا چکا ہے۔

تالیف:

عبدالقاہر بغدادی (م ۱۰۳۷ء)

ترجمہ:

علی محسن صدیقی (م ۱۴ر جنوری ۲۰۱۲ء)

صفحات: ۵۰۰ قیمت: ۸۰۰/- روپے طبع ثالث ۲۰۱۴ء

ISBN: 969-8448-47-0